ہندوستان کے ایک معروف مؤرخ ومصنف

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی

اوران کی اہم ترین تصنیف

علمائے ہند کا شاندار ماضی، طبع اول وطبع چہارم

ایک تعارف

نورالحسن راشد کاندھلوی

Mufti Elahi Bakhsh Academy
Maulviyan, Kandhla. Distt.Shamli (Muzaffar Nagar)247775 (U.P) India
Email:nhrashidkandhlavi@yahoo.com

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم امابعد!

وہ دور ابھی بہت دور نہیں گیا جب ہماری صفیں ایسے علماء، اہل کمال، اہل نظر اور اہل قلم سے آراستہ تھیں کہ ان میں سے ہر ایک جید وصاحب نظر عالم، کامیاب استاد ومدرس، بہترین مقرر وواعظ، اعلیٰ درجہ کا منتظم، فعال وسرگرم، روشن دماغ، بیدار مغز اور سراپا جہد وعمل نظر آتا اور رہتا تھا، یہ ایسے اصحاب کمال اور ارباب فضل وافضال تھے کہ جو اگر مسند درس پر بیٹھیں، تو اس کو کمالات سے آراستہ کردیں، وعظ وتقریر میں آئیں، تو معلومات اور فصاحت وبلاغت کے دریا رواں کردیتے تھے اور کسی جماعت وتنظیم سے وابستہ ہوں، تو ان میں ادنی کارکنوں کی سی اطاعت گذاری اور اعلیٰ ترین منتظمین کی لیاقت وصلاحیت کا مظاہرہ کرتے تھے اور اگر تصنیف وتالیف کی دنیا میں وارد ہوتے تو اس کو گونا گوں مضامین اور متنوع

عنوانات سے اس طرح لبریز کردیتے کہ لوگوں کی محبت وتوجہ کا محور بن جاتے تھے اور ان سب کے باوجود وہی سادگی، ویسی ہی بے نفسی، اسی طرح خود کو کچھ نہ سمجھنا اور کسی سے بھی کسی اجر اور دنیاوی نفع کی طلب تو دور کی بات ہے، اس کی امید بھی نہ رکھتے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب بھی اسی قافلۂ اخلاص وعمل کے ایک فرد اور اسی راہ جہد واتقاء کے ایک مسافر تھے۔

خاندان اور اجداد:

ہندوستان میں سادات رضویہ کے معتبر سلسلے اور خاندان صدیوں سے مختلف مقامات پر آباد ہیں، جس کی شاخیں خیرآباد، زید پور، امروہہ، شیخ پور [برناوہ، ضلع میرٹھ] میں بکھری ہوئی ہیں، موجودہ صوبہ ہریانہ کے قصبات سونی پت، سفیدوں اور سامانہ میں بھی رہتے تھے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ سادات امروہہ اور سرسید احمد خاں کا نسب بھی اسی خاندان سے جڑا ہوا ہے۔(۱)

اسی خاندان کا ایک بہت بڑا سلسلہ دیوبند میں ہے، جس کا آغاز سید محمد ابراہیم سے ہوا تھا۔ سید محمد ابراہیم [وفات: شوال ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء] گیارہویں صدی ہجری میں جہانگیر کے دور میں دیوبند تشریف فرما ہوئے، جہانگیر نے ان کے لئے محلّہ پیرزادگان، دیوبند میں ایک عالی شان خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی تھی، سید ابراہیم جو سلسلہ قادریہ شطاریہ کے مشائخ کبار اور کاملین میں سے تھے، اس خانقاہ میں جلوہ افروز ہوئے اور دیر تک اس خطہ کو اپنے روحانی کمالات سے نوازا،(۲) اور اہل فضل وکرم کو اخلاق اور تعلق مع اللہ جیسے اوصاف حمیدہ سے آراستہ کیا۔، ان کی اولاد میں ہمیشہ نئے نئے پھول کھلتے اور ان کے دم سے علم وعرفان کے چمن آباد ہوتے رہے، اسی سلسلہ کی ایک کڑی متأخر دور میں حاجی سید عابد حسین دیوبندی [وفات: ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ - ۱۹۱۲ء] حاجی سید محمد انور [۱۳۱۲ھ - ۱۸۹۴ء] حاجی فضل حق، مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تھی اور قریب میں اسی سلسلہ کا ایک اور روشن چراغ، مولانا سید محمد میاں صاحب تھے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب کے والد سید منظور محمد تھے، جن کا سلسلہ اس طرح ہے:

''سید منظور محمد بن یوسف علی بن محمد علی بن ظہور ولی بن سید فردوس بن سید شبلی بن بندگی محمد اسماعیل بن سید محمد ابراہیم''

سید ابراہیم کا نسب ۳۲/ واسطوں سے، حضرت علیؓ سے جڑ جاتا ہے۔(۳)

سید منظور محمد صاحب کے دو بیٹے تھے:

(۱) مولانا سید محمد میاں (۲) سید احمد میاں

مولانا محمد میاں ۱۲/ رجب ۱۳۲۱ھ [۴/ اکتوبر ۱۹۰۳ء] کو بلند شہر میں پیدا ہوئے، اس وقت مولانا کے والد محکمۂ نہر کی ملازمت کی وجہ سے وہاں مقیم تھے، مولانا کا تاریخی نام مظفر میاں ہے۔ مظفر نگر کے ایک حافظ صاحب سے قرآن کریم پڑھا، فارسی کی تعلیم بلند شہر کے ایک گاؤں میں خلیل احمد نامی ایک صاحب سے حاصل کی، فارسی پڑھتے ہوئے ۱۳۳۱ھ [۱۹۱۲ء] میں دارالعلوم کے درجۂ فارسی میں داخل کئے گئے۔ درجہ بدرجہ پڑھتے بڑھتے ۱۳۴۳ھ [۱۹۲۵ء] میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری [م ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء] سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

تدریس: شعبان ۱۳۴۴ھ [مارچ ۱۹۲۵ء] میں کلکتہ میں جمعیۃ علمائے ہند کا ساتواں اجلاس، علامہ سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ہوا تھا، وہاں سے واپسی میں مدرسہ حنفیہ، آرا، ضلع شاہ آباد، بہار کے ذمہ داران نے حضرت شاہ صاحب سے ایک ایسے اچھے استاذ کی درخواست کی، جو عربی تحریر وتقریر کی مشق کرا سکے اور ادب کی اونچی کتابوں کا درس دے سکے۔ حضرت علامہ نے مولانا اعزاز علی کے مشورہ سے اس خدمت کے لئے مولانا محمد میاں کا انتخاب کیا، مولانا محمد میاں نے تقریباً ساڑھے تین سال آرا میں درس وتدریس میں گزارے۔ مولانا مدرسہ آرا سے اس لئے بددل اور علیحدہ ہوگئے تھے کہ وہ مدرسہ سرکاری امداد لیتا تھا اور وہاں انگریزی امتحانات کی تیاری بھی کرائی جاتی تھی، مولانا نے لکھا ہے:

''احقر نے تقریباً ساڑھے تین سال آرا میں قیام کیا، اول اول کچھ مشکلات پیش آئیں، پھر نہ صرف مدرسہ کے حضرات بلکہ شہر کے بھی بہت سے حضرات احقر

سے مانوس ہوگئے، صوبہ بہار کے دوسرے اضلاع کے علماء اور بزرگوں سے بھی کچھ تعارف ہوگیا، مگر احقر اس مدرسہ سے خاطر برداشتہ رہا، کیوں کہ اس مدرسہ کو سرکاری ایڈ ملتی تھی اور بہار یونیورسٹی کے درجات فاضل وغیرہ کی تیاری بھی یہاں کرائی جاتی تھی، یہ دونوں باتیں دارالعلوم کے اصول کے خلاف تھیں، احقر کے اکابر جو دارالعلوم کے بااثر اور بارسوخ حضرات تھے، انہوں نے وقتی طور پر احقر کا انتخاب فرمایا تھا، اور اس میں شک نہیں کہ اگر احقر وہاں کچھ عرصہ اور قیام کرتا تو شمس الہدیٰ، پٹنہ میں پروفیسر ہوسکتا تھا اور یہ بھی ممکن تھا کہ پروفیسر ہونے کے بعد پرنسپل بھی ہوجاتا'' (۴)

کیا لوگ تھے وہ، کہاں گئے اور ان کا وہ اِخلاص اور اعتماد علی اللہ، توکل و استغناء کا جذبہ بعد کی نسلوں اور علماء سے کیوں ختم ہوگیا۔

شوال ۱۳۴۷ھ [مارچ ۱۹۲۸ء] (۵) میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں استاذ مقرر کئے گئے (۶) اور سولہ سال تک اسی سے وابستہ رہے، درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے مدرسہ کے مفتی، منتظم اور ممبر مجلس شوریٰ و عاملہ کے عہدوں پر پہنچے۔

مولانا کی زیر درس کتابوں میں ہدایہ اور صحیح مسلم بہت ممتاز تھیں، مولانا نے مدرسہ شاہی مرادآباد کی توسیع، اس کے درجہ اور علمی مقام کو بڑھانے کے لئے، وسیع جدوجہد کی جس کا اثر مدرسہ شاہی کی تاریخ اور ترقی پر اب تک نظر آتا ہے۔

مولانا مرادآباد کے زمانۂ قیام میں، سیاسی خدمات میں بھی مشغول رہتے تھے، جس کی وجہ سے رمضان ۱۳۶۱ھ [اکتوبر ۱۹۴۲ء] سے ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ [اپریل ۱۹۴۴ء] تک، الہ آباد اور بریلی کی جیل میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی رفاقت رہی۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے مولانا کی تنظیمی صلاحیت اور مجاہدانہ ذوق کو پہچان لیا اور اپنے ساتھ دہلی چلنے کا اصرار کیا، مولانا نے اس کو منظور نہ کیا تو ۱۳۶۴ھ [۱۹۴۵ء] میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی [شیخ الاسلام] کو ساتھ لے کر مرادآباد آئے اور مہتمم مدرسہ شاہی، مولانا عبدالحق صاحب مدنی سے اصرار کر کے مدرسہ شاہی سے چھ مہینہ کی رخصت دلا کر، دہلی لے گئے۔

مولانا محمد میاں صاحب درس وتعلیم سے علیحدہ اور یکسو ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھے، لیکن مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے سامنے کچھ نہ چلی اور وہ اپنے ارادہ اور فرمائش پر اٹل رہے، تاہم مولانا محمد میاں صاحب چھ مہینے گذرنے کے بعد پھر اپنی جگہ پر، مدرسہ شاہی میں واپس آگئے تھے۔ ابھی اس پر کچھ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ ۱۹۴۷ء[۱۳۶۶ھ] کا المیہ پیش آگیا ،جس میں تمام مسلم آبادی اور دینی ادارے درہم برہم ہوگئے تھے، اس وقت مولانا محمد میاں صاحب نے یہ بہت ہی مجاہدانہ اور دلیرانہ فیصلہ کیا کہ ان کو دہلی جاکر، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے کام اور دہلی میں مسلمانوں کی حفاظت کی جدوجہد میں شریک ہونا چاہئے، اس لئے دہلی میں قیام کا ارادہ کرلیا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب جو مولانا محمد میاں کی محنت، جدوجہد اور تنظیمی صلاحیتوں کا خوب اندازہ اور تجربہ کرچکے تھے، چاہتے تھے کہ مولانا محمد میاں صاحب ان کی جگہ سنبھال لیں اور جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم عمومی (Secretary General) کا عہدہ قبول کرلیں، تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اس عہدہ سے سبکدوش ہوجائیں، لیکن مولانا حفظ الرحمٰن کی زندگی تک مولانا محمد میاں اس کے لئے تیار نہیں ہوئے اور جمعیۃ کی انتظامی، دفتری خدمات انجام دیتے رہے۔

مدرسہ امینیہ دہلی سے وابستگی:

مولانا محمد میاں صاحب کا فطری، طبعی ذوق درس وتعلیم کا تھا، اور مدرسوں کے ماحول سے سب سے زیادہ مناسبت تھی، اس لئے دہلی میں بھی ہمیشہ یہ چاہتے رہے کہ کسی اچھے مدرسہ سے تعلق ہو اور بنیادی کتابیں پڑھانے کا موقع ملے، لیکن تقریباً پندرہ سال تک کسی بڑے مدرسہ سے باقاعدہ وابستگی نہیں ہوئی۔

مدرسہ امینیہ، دہلی کا ایک قدیم اور بہت ممتاز مدرسہ تھا، جس کا جمعیۃ علمائے ہند کے بانیان کرام سے خاص رشتہ تھا، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اپنی زندگی کے آخری لمحات تک، ان کے بعد مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور جمعیۃ کے متعدد علماء کی اس سے وابستگی رہی، مولانا محمد میاں صاحب ۲۵/ربیع الاول ۱۳۸۲ھ [اگست ۱۹۶۲ء] کو مدرسہ امینیہ سے

رکن مجلس شوریٰ کے طور پر وابستہ ہوئے، بعد میں یکم شوال ۱۳۸۴ھ [۱۹۶۴ء] کو مدرسہ میں باقاعدہ تقرر ہوا، ۱۳۸۴ھ سے ۱۳۹۴ھ [۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۴ء] تک، مدرسہ سے بحیثیت استاذ، مدرس اور منتظم وابستہ رہے، مدرسہ کے انتظام کو بھی جزوی طور پر دیکھتے رہے۔ مولانا نے مدرسہ شاہی مراد آباد کی طرح، یہاں کے ماحول میں بھی تعلیم وتربیت کی ایک نئی روح پھونک دی تھی، جس کے اثر سے بڑی تعداد میں نئے طلباء کا مدرسہ کی طرف رجوع ہوا، خصوصاً دہلی کے نواح میں سے میوات اور راجستھان کے طلبہ نے مدرسہ میں کثرت سے داخلہ لیا اور مولانا سے پڑھتے، استفادہ کرتے رہے، اس عرصہ میں مولانا سے تقریباً ایک سو پچاس [۱۵۰] طلباء نے حدیث شریف، خصوصاً ترمذی وبخاری شریف پڑھ کر اجازت وفراغت حاصل کی۔(۷)

فقہ وفتاویٰ پر نظر اور تحریر فتاویٰ:

جیسا کہ اس زمانہ کا عام معمول تھا کہ اچھے فاضل اور ممتاز مدرس، فقہ کی مہارت اور تحریر فتاویٰ میں بھی کمال رکھتے تھے، مولانا محمد میاں بھی اسی طرح کے استادوں میں تھے، جہاں رہے، تحریر فتاویٰ کی خدمت انجام دیتے رہے، مدرسہ شاہی مراد آباد اور امینیہ کے زمانۂ تدریس میں بھی مسلسل فتاویٰ لکھتے رہے، جو وہاں کے رجسٹروں میں محفوظ ہیں۔ مفتی سلمان صاحب منصور پوری نے لکھا ہے کہ میں نے یہ تمام فتاویٰ کتابی صورت میں مرتب کر لئے ہیں، جو جلد ہی شائع ہوں گے، (۸) مگر راقم سطور کو ان کی طباعت کا علم نہیں۔

جب مدرسہ امینیہ میں استاذ ومدرس بنائے گئے، اس وقت بھی یہ کام جاری رہا، مدرسہ امینیہ کے کاغذات ورجسٹروں میں بھی مولانا کے لکھے ہوئے متعدد فتاویٰ موجود ہیں، جن میں سے کئی ایک فتاویٰ ایک خاصی تالیف اور فقہی بحث کا حکم رکھتے ہیں اور جمعیۃ، کانگریس اور مسلم لیگ کے قضیہ میں بھی، مولانا کے مرتبہ کئی فتوے کتابچوں کی صورت میں چھپے تھے، ضرورت ہے کہ ان فتاویٰ کو مرتب کر کے علمی انداز سے شائع کیا جائے۔

مولانا کی فقہی نظر اور وسعت مطالعہ کا ان رسائل اور سوال ناموں سے بھی اندازہ ہوتا ہے، جو مولانا نے ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے تحت منعقد، مجالس فقہیہ کے سوال نامہ کے طور پر لکھے تھے۔ یہ تحریریں اور سوال نامے اپنے آپ میں ایک لائق استفادہ چیز ہیں، اسی سے جڑے ہوئے وہ مختصر رسائل بھی ہیں، جو ''رویت ہلال''، ''ہمارا وطن اور اس کی شرعی حیثیت'' اور ''ترک وطن کی شرعی حیثیت'' کے نام سے شائع ہوئے۔ ان کے بعض مندرجات اور مولانا کی اس سلسلہ میں رائے سے بلا شبہ اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کی فقہی، علمی حیثیت سے انکار کرنا درست نہ ہوگا۔

جمعیۃ علمائے ہند سے وابستگی اور سیاسی جدوجہد:

مولانا محمد میاں صاحب نے جس دور میں تعلیم حاصل کی اور دارالعلوم سے فارغ ہوئے، وہ سیاسی ہلچل اور کشمکش کا ایسا دور تھا، جس میں ملت کے ایک بڑے طبقہ میں، اپنے حقوق اور شرعی، سیاسی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے ایک تحریک کی کیفیت تھی اور اکثر لوگ اس ماحول سے متأثر ہو کر کسی نہ کسی سیاسی، قومی کام میں مشغول ہونا چاہتے تھے۔ مولانا کا تعلیمی پس منظر دیوبند کا تھا، وہاں شیخ الہند [حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ] کے نظریات اور تحریکات کا چرچا اور تذکرہ رہتا تھا، اس لئے مولانا محمد میاں اسی وقت سے ان تحریکات ونظریات سے جڑ گئے تھے اور جمعیۃ علمائے ہند سے بھی وابستہ ہو گئے تھے۔

تذکرہ آچکا ہے کہ کلکتہ میں شعبان ۱۳۴۴ھ [مارچ ۱۹۲۶ء] میں جمعیۃ علماء کا ساتواں اجلاس منعقد ہوا تھا، جس کی صدارت علامہ سید محمد سلیمان ندوی نے فرمائی تھی، مولانا محمد میاں صاحب اس اجلاس میں جمعیۃ علماء کے ذمہ داران کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور اس وقت سے آخری دم تک، یہ وابستگی اور جمعیۃ کی رفاقت کا سفر جاری رہا، مولانا کو اول اول جمعیۃ علمائے شہر مرادآباد کا نائب ناظم، پھر ناظم مقرر کیا گیا۔ اس دور میں جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ اودھ اور آگرہ، اس وقت کی سیاسی جغرافیائی تقسیم کے مطابق الگ الگ یونٹیں اور حصے تھے، مولانا کو اول صوبہ آگرہ کا ناظم جمعیۃ علماء بنایا گیا اور پھر صوبہ متحدہ اودھ اور آگرہ کا

بھی ناظم بنادیا گیا تھا، ۲۰ تا ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ [مئی ۱۹۴۵ء] میں جمعیۃ علمائے ہند کا چودھواں اجلاس عام سہارنپور میں منعقد ہوا تھا، جمعیۃ کے ناظم عمومی کے لئے مولانا محمد میاں صاحب کا نام آیا تھا، مولانا نے معذرت کی مگر حضرت مدنی کے اصرار پر ناظم مقرر کئے گئے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے اپنے زمانۂ علالت میں، مولانا سید محمد میاں صاحب کو قائم مقام ناظم نامزد کردیا تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی وفات کے ایک سال بعد تک مولانا محمد میاں قائم مقام ناظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

مولانا نے جمعیۃ علماء کے لئے بہت قربانیاں دیں اوراس کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے ہر وقت تیار رہے اور ہر اک مشکل سے مشکل مرحلہ پر اور سخت سے سخت ترین حالات میں، کارواں کے ہراول دستہ میں شامل رہے، جیلیں کاٹیں، مشقتیں اٹھائیں اور ہر طرح کی جدوجہد میں مستعد اور ثابت قدم رہے۔ آخر عمر میں اگرچہ عملی وابستگی تو کم ہوگئی تھی، لیکن اس سے وفاداری اور اس کے مقاصد کے لئے اسی طرح کام کرتے رہے۔

کانگریس سے وابستگی:

جمعیۃ علماء کے اجلاس امروہہ میں جمعیۃ علماء کے ارکان کی کانگریس سے جڑنے کی تجویز سامنے آئی تھی، جس کی تائید میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایسی پُر جوش اور اپنے مزاج ومعمول کے مطابق، نہایت جذبات انگیز تقریر کی، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے خیالات بدل گئے اور وہ کانگریس سے جڑتے چلے گئے، ان ہی لوگوں میں سے ایک مولانا محمد میاں صاحب بھی تھے۔

اب مولانا کے لئے لڑائی اور جدوجہد کے دو میدان ہوگئے تھے، جمعیۃ کا اور کانگریس کا، مولانا دونوں کے لئے مخلص تھے، دونوں میں پوری جاں کاہی اور دلچسپی کے ساتھ لگے رہے، دونوں کے لئے یکساں قوت واستقلال کے ساتھ قدم اٹھائے، قدم بڑھائے، جیلیں کاٹیں اور سزائیں برداشت کیں، کانگریس کا ممبر بننے کے بعد مولانا جلد ہی گرفتار کر لئے گئے تھے، جس میں حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب بھی مولانا کے ساتھ تھے۔

ایک اور موقع پر ۱۳۵۰ھ [۱۹۳۲ء] میں دلی اور مرادآباد میں گرفتار اور سزا یاب ہوئے۔ ۱۳۵۹ھ [۱۹۴۰ء] میں قید وبند کا ایک اور امتحان پیش آیا۔ ۱۳۶۱ھ [۱۹۴۲ء] میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کے حصہ دار بنے اور جیل گئے یہ آخری گرفتاری تھی، اس سے دو سال بعد ۱۳۶۴ھ [۱۹۴۴ء] میں رہائی ہوئی، پھر ۱۳۶۵ھ [۱۹۴۵ء] میں دہلی آ گئے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ:

اس وقت ہمارے یہاں کیسے جذبات تھے، کس قدر قربانیاں دیتے تھے اور کس طرح اپنے آپ کو ہر امتحان کے لئے پیش کر دیا کرتے تھے، اس کا ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افسوس کہ اب یہ روایت ختم اور یہ سلسلہ معدوم ہو گیا:

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

اس واقعہ کی پوری تفصیل خود مولانا کے قلم سے پڑھئے:

''احقر جب دہلی سے رہا ہو کر دیوبند پہنچا، جہاں والدہ صاحبہ اور احقر کے متعلقین تھے، پھر فوراً ہی مرادآباد چلا گیا، جہاں صوبہ یوپی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے گرفتاری کا پروگرام طے تھا، سی آئی ڈی احقر کی تفتیش میں رہی ہوگی اور ممکن ہے اس کو حیرت ہوئی ہو، جب احقر دفعۃً مرادآباد کے چوک بازار میں اس حالت میں نمودار ہو گیا، کہ ایک ہاتھ میں کانگریس کا جھنڈا تھا، دوسرے میں جمعیۃ علماء ہند کا۔

ایک عزیز دوست پنجابی سوداگر، حافظ محمد شفیع صاحب نے آگے بڑھ کر سنہرا ہار گلے میں ڈالا، جس کو احقر نے منظور کیا، کیونکہ ہار پہننے اور پہنانے کے لئے اس سے بہتر وقت کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ حاضرین کے اجتماع نے جلوس کی شکل اختیار کر لی اور اب یہ جلوس جس کی قیادت محمد میاں کر رہا تھا، [جس کے دونوں ہاتھ اس طرح گھرے ہوئے تھے کہ ایک میں ایک جھنڈا تھا، دوسرے میں دوسرا، اور گلے میں قرآن شریف] امروہہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگا، ابھی تقریباً ایک فرلانگ چلا تھا کہ پولیس کے دستہ نے آ کر محاصرہ کر لیا، احقر کو گرفتاری کا حکم سنا کر اپنی تحویل میں لے لیا اور مجمع کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج شروع کر دیا، احقر

حوالات میں پہنچا تو تھوڑی دیر بعد حافظ شفیع الدین صاحب درآمد ہوئے، جرم یہ تھا کہ کانگریس اور جمعیۃ کے ڈکٹیٹر کو ہار کیوں پہنایا تھا۔

پھر ابھی انگریزی حساب سے تاریخ ختم نہیں ہوئی تھی، یعنی رات کے بارہ نہیں بجے تھے کہ مرادآباد کانگریس کے تمام سربراہان، جن کی تعداد ستر تھی گرفتار کر کے احقر کے ساتھی بنادئے گئے، چند روز مقدمہ ہوا، چھ ماہ کی سزا بامشقت کلاس سی [C] اور مشقت میں احقر اور موجودہ کیبینٹ ڈوپلمنٹ منسٹر، یوپی [داؤ دیال کھنہ] کو چکی دی گئی، جس سے چند دنوں کے بعد حکیم انظار صاحب وغیرہ کی مساعی سے نجات مل گئی او رکلاس سی [C] کے بجائے بی [B] کر دی گئی۔ (ندائے شاہی نمبر صفحہ:۳۹۳/۳۹۴)

یہ قید سخت اور سزائیں کیسی شدید اور تکلیف دینے والی تھیں، اس تحریر کے بعد کے مندرجات سے اس کا بھی علم ہو رہا ہے، ملاحظہ ہو:

’’یہ جوش وولولہ اس وقت تھا جب کہ ابھی دہلی حوالات سے رہا ہو کر آئے تھے، یہاں تکلیف ومشقت کا جو حال تھا، وہ بھی مرحوم ہی کی زبانی سنئے:

غالباً اگست کا مہینہ تھا، شدید گرمی، حوالات سب طرف سے بند، نہ روشن دان، نہ کھڑکی، صرف ایک جانب دروازہ کے دوطرف جنگلے تھے، مگر سامنے چوڑا برآمدہ تھا، جس کی وجہ سے یہ جنگلے بھی ہوا سے ناآشنا رہتے تھے، پیشاب پاخانہ کے لئے صبح کو آٹھ بجے ایک گھنٹہ کے لئے کھولا جاتا، باقی ۲۳/ گھنٹے اسی کمرہ میں بند رہتے تھے، یہیں وضو بھی کیا جاتا تھا، پانی نکلنے کی کوئی نالی نہیں تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ وضو کا پانی کمرہ ہی میں بھرتا رہا، حسن اتفاق یہ تھا کہ کمرہ میں ڈھال کافی تھا، پانی اسی ڈھال میں رہتا تھا، رفتہ رفتہ صورت یہ ہوگئی کہ کمرہ کے نصف حصہ میں پانی بھر گیا اور نصف حصہ میں ہمارے چھ یا سات ساتھیوں کے بستر تھے.........اس حبس بے جا کا اثر یہ ہوا کہ تمام ساتھیوں کو عوارض لاحق ہوگئے، احقر کو پیچش ہوگئی۔‘‘ (ندائے شاہی نمبر صفحہ:۳۹۴)

ماہنامہ ’’قائد‘‘ مرادآباد:

مولانا محمد میاں صاحب کے فکر وخیالات اور سیاسی نظریات اوران موضوعات

وعنوانات پر تحریر ونگارش کا سب سے زیادہ طاقتور اور مؤثر اظہار، ایک ماہنانہ سیاسی مجلّہ ''قائد'' مرادآباد سے ہوا۔

مولانا نے مرادآباد قیام کے زمانہ میں ''قائد'' کے نام سے جاری کیا تھا، جو جمعیۃ علماء اور کانگریس کے نظریات کا ترجمان تھا، مولانا کے ذاتی خیالات کی جھلک بھی اس میں ملتی تھی، مولانا نے ماہنامہ ''قائد'' کو سنجیدہ تحریرات ومضامین سے سجایا اور اور اس کے علمی وقار واعتبار میں اضافہ کی کوشش کرتے رہے۔

ماہنامہ ''قائد'' کا محرم، صفر ۱۳۵۷ھ [مارچ، اپریل ۱۹۳۸ء] میں اجراء ہوا، مگر اس کے علمی مضامین اور سیاسی مباحثہ کے باوجود، اس کی بہت زیادہ عمر نہیں ہوئی، ''قائد'' ڈیڑھ سال سے کچھ زیادہ جاری رہا، اس کے کل اٹھارہ شمارے شائع ہوئے، آخری اشاعت، رجب، شعبان ۱۳۵۸ھ [ستمبر ۱۹۳۹ء] کی تھی، اسی پر یہ رسالہ بند ہوگیا، اس کے بعد کوئی شمارہ نہیں چھپا۔(۹)

تصنیف وتالیف:

درس وتعلیم، جمعیۃ علماء کی تنظیم وترقی، متواتر اسفار اور بے پناہ تنظیمی اور دفتری مصروفیات کے باوجود مولانا نے ہمیشہ تحریر وقلم سے طاقتور رشتہ استوار رکھا اور یہ رشتہ ایسا مضبوط اور سدا بہار تھا کہ جس میں نہ مدرسہ کی تعلیم رکاوٹ بنی، نہ درس واستفادہ اس سے مانع ہوا، اور نہ ہی مقدمات اور جیل کی سلاخیں اس میں رخنہ ڈال سکیں۔ مولانا کا قلم تقریباً چالیس سال تک رواں دواں رہا، جس کو مولانا نے دینی، علمی، تاریخی، سیاسی موضوعات اور ملی مسائل کی نشاندہی اور ان کی گرہ کشائی کے لئے مسلسل استعمال کیا۔

مولانا محمد میاں کثیر التصانیف اور سریع التحریر مصنف تھے، مولانا کی تصانیف ومؤلفات کی مکمل فہرست میرے علم میں نہیں، لیکن تقریباً ساٹھ [۶۰] مؤلفات وکتب مطبوعہ اور متعارف ہیں۔ مولانا کے معاصرین میں ایک صاحب قلم، مفتی انتظام اللہ شہابی تھے، ان کے بارے میں ان کے احباب ورفقاء کہا کرتے تھے: ''کہ مفتی انتظام اللہ کثرت تحریر میں

لکھنے کی مشین ہیں'' میرے خیال میں مولانا کو بھی ایسی ہی مشین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، لیکن مفتی انتظام اللہ صاحب کی تحریر و تالیف کے علاوہ کوئی اور مصروفیت نہیں تھی، مولانا سید محمد میاں صاحب کثیر مصروفیات، اسباق، اسفار، سیاسی جدوجہد، جمعیۃ کی انتظامی وسیع خدمات اور تمام سیاسی کاموں میں شرکت ان کے مشوروں اور کاموں میں گھرے رہتے تھے۔ ایسی وسیع اور ہمہ جہت مشغولیت کے باوجود کس طرح اتنا وقت نکال لیتے تھے کہ وہ مطالعہ بھی کرلیں اور اچھی علمی کتابیں بھی لکھتے، تحریر کرتے رہے، بلاشبہ **ذلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء.**

مولانا کا، اگرچہ مؤرخ کی حیثیت سے زیادہ تعارف ہے، لیکن مولانا کی تصانیف وتحریرات صرف تاریخی عنوانات تک محدود نہیں، مولانا نے دسیوں موضوعات پر بے شمار عنوانات کے تحت لکھا، جو توجہ سے پڑھا گیا۔ کس کس موضوع اور عنوان کا تذکرہ کیا جائے، مولانا کے قلمی آثار و باقیات میں تفسیر، حدیث، فقہ، معاشیات، ملی، سماجی مسائل، سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم، سیر الصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، تاریخ اسلام، احوال اکابر ومجددین، تذکرہ باقیات اسلاف اور جمعیۃ علمائے ہند کی تاریخ اور خدمات کے متعدد گوشوں پر مفید تصانیف وکتب یادگار ہیں۔ چند کتابوں کا مختصر تعارف یا نام یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

- **مرادآباد جیل میں درس قرآن کی سات مجلسیں:** یہ حضرت مولانا مدنی کے تفسیری افادات ہیں، جس کا سلسلہ حضرت مولانا مدنی نے، مرادآباد جیل میں، محرم ۱۳۶۲ھ [جنوری ۱۹۴۳ء] میں جیل کے اسیران اور احباب ورفقاء کے اصرار پر شروع کیا تھا، جو حضرت مدنی کی مرادآباد سے دوسری جیل میں منتقل ہونے کی وجہ سے صرف سات دن جاری رہ سکا۔ مولانا محمد میاں صاحب نے اس درس وتعلم کے اشارات نوٹ کرلئے تھے، جس کو برسوں کے بعد مرتب کر کے شائع کیا۔
- **سورۂ فاتحہ کی سیاسی تفسیر:** دراصل مولانا محمد میاں منصور انصاری کے افادات ہیں، جن کو مولانا نے مرتب کر کے شائع کردیا تھا۔

● ''مشکوٰۃ الآثار'' مولانا کی مشہور و متداول تالیف ہے، جو بہت سے مدارس کے متوسط نصاب تعلیم میں بھی شامل ہے۔(۱۰)

● ''سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سیرت پاک کا موضوع ایسا سدابہار، کثیر الفوائد، نئے نئے عنوانات و مباحث کا ایسا موضوع ہے، جس سے نہ کبھی سیری ہوسکتی اور نہ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن ہے، امت کے ہزاروں ہزار افراد نے اپنی سعادت و محبت میں اضافہ کے لئے ہر دور میں، ہر زبان میں نئی سے نئی کتابیں لکھی ہیں، اور اس میں تازہ سے تازہ تر معلومات و تحقیقات کا اضافہ کیا ہے، اسی سلسلہ کی ایک کتاب مولانا محمد میاں صاحب کی تالیف ''سیرت مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' [قرآن اور تاریخ کے آئینہ میں] ہے۔ مولانا نے اس کی ابتداء ایک مفصل مقدمہ سے کی ہے جس میں انسان کیا ہے، انسانیت کیا ہے، نبوت، رسالت اور وحی کی ضرورت سے پہلے انسانی استعداد او رصلاحیت کی تدریجی ترقی، انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات، اس دین کامل کی ضرورت اور تکمیل دین کے عنوانات پر اچھی اور مفصل گفتگو کی ہے، اس کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوا ہے، جس سے پہلے باب میں، عرب قبل اسلام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

عربوں کے رسوم و رواج، طریقۂ حیات، سماجی، معاشرتی، قومی پہلوؤں اور ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کا کیا حال تھا، وہ کس احوال میں رہتے اور کس نہج پر زندگی گذارتے تھے۔ یہ حصہ یا باب ایک سو دو صفحات پر مشتمل ہے اور متعلقہ عنوانات کی اچھی علمی نشاندہی کر رہا ہے، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس میں مصنف نے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر گوشوں اور حیات مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس میں صرف واقعات کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کے منظر، پس منظر، ان کی حکمت، مصلحتوں اور ان سے اخذ نتائج پر بھی توجہ دلائی ہے، بحیثیت مجموعی ایک بہت ہی اچھی کاوش ہے، جس کے ذریعہ سے سیرت پاک اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کو جانا، سمجھا جاسکتا ہے۔

تحریر رواں، سلیس ہے، مصنف ایک بات کو دوسری بات سے لڑی کی طرح جوڑتے، ملاتے چلے گئے ہیں، سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ چار سو چالیس صفحات پر مشتمل ہے، گویا پوری کتاب چھ سو سے زائد صفحات پر آتی ہے۔

یہ کتاب کتابستان دہلی سے، پہلی بار محرم ۱۳۹۳ھ [مارچ ۱۹۷۳ء] میں چھپی تھی۔(۱۱)

آغاز کتاب میں مصنف نے دو صفحہ کا اضافہ کیا ہے، وہ گویا اس کتاب کا خلاصہ اور روح ہے۔

- **عقیدۂ رحمۃ للعالمینی کا اثر سیاسیات عالم پر:** یہ مختصر تالیف ہے جو مولانا نے مرادآباد کے قیام میں لکھی تھی اور اسی وقت چھپی تھی، ایک اور کتاب **"آنے والے انقلاب کی تصویر"** ہے۔

- **حضرات صحابہ کرامؓ کا عہد زریں اور مثالی حکومتیں:** سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کا اتفاق ہے کہ سیر الصحابہ کا مرتبہ ہے، مولانا نے اس موضوع کی اہمیت کی وجہ سے اس پر بھی خاص توجہ فرمائی تھی، مولانا نے حضرت شاہ ولی اللہ کی بہت ممتاز اور نہایت غیر معمولی تصنیف ازالۃ الخَفاء عن خلافۃ الخلفاء کا ایک توضیحی، تشریحی ترجمہ کیا تھا، جو پورا کا پورا لائق استفادہ اور لائق مطالعہ ہے۔ اس میں مولانا نے حضرت شاہ صاحب کے علوم وافادات پر نفیس نکتوں اور گوشوں کا اضافہ کیا ہے اور اس کو موضوع کی نزاکت واہمیت کے لحاظ سے مفید سے مفید تر بنانے کا خیال رکھا ہے، یہ کتاب دو بڑی جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پہلی جلد پونے چھ سو صفحات پر ہے، دوسری جلد ساڑھے تین سو صفحات پر آئی ہے، دوسری جلد کے آخر میں تیسری جلد کی متوقع اشاعت کا تذکرہ ہے، جو غالباً چھپی نہیں۔

- **شواہد تقدس:** مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہو جانے کے اسباب پر "خلافت وملوکیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، وہ چھپی تو بہت متنازعہ اور بحث طلب نکلی، جس میں خصوصاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے کمزور اور بعض نازیبا باتیں لکھیں تھیں، ہند پاکستان کے متعدد بڑے علماء اور

اہل نظر اصحاب نے اس کا علمی جائزہ لیا اور مودودی صاحب کے اعتراضات وشبہات کے جوابات لکھے، ان ہی میں سے ایک تالیف مولانا محمد میاں صاحب کی ہے، جو [حضرت عثمان غنیؓ کے] ''شواہد تقدس'' کے نام سے منظر عام پر آئی اور مقبول ہوئی۔

- اسی سلسلہ کی ایک چھوٹی کتاب ''**خلافت راشدہ**'' بھی ہے، جو سب سے پہلے ایک حصہ میں دیوبند سے چھپی تھی، بعد میں آہستہ آہستہ پورے ملک کے نصاب تعلیم میں داخل ہوگئی، بار بار چھپتی رہتی ہے۔
- **پانی پت اور بزرگان پانی پت**: بھی مولانا کی تالیفات میں سے ہے، جو اگرچہ مولانا کے علمی معیار کی تو نہیں ہے اور نہ اس کو بہت مستند شمار کیا جاسکتا ہے، مگر اس کتاب سے بعد کے لوگوں کو، مرحوم پانی پت کے مشائخ واہل کمال کا علم ہوا اور یہ جاننے میں مدد ملی کہ پانی پت کبھی کیسا زندہ اور دیکھنے، سفر کرنے کے لائق شہر تھا۔ یہ کتاب مولانا لقاء اللہ عثمانی مرحوم پانی پتی کی فرمائش پر مرتب ہوئی اور پہلی مرتبہ ۱۳۸۳ھ [۱۹۶۳ء] میں کتابستان دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ ۳۰۸ر صفحات پر مشتمل ہے، بعد میں ہندپاکستان دونوں جگہوں سے کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔
- مولانا کی مؤلفات وکتب میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے احوال پر دو تالیفات ہیں، ''**مرد جلیل**'' اور ''**حیات شیخ الاسلام**'' یہ دونوں بھی کئی کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہیں۔

مولانا سید محمد میاں کے چند اور تصنیفی کام: مولانا کی تصانیف میں دو عنوانات اور قابل ذکر ہیں، ۱۳۶۶ھ [۱۹۴۷ء] سے پہلے کے سیاسی مباحث پر تحریرات ورسائل اور اس سے جڑی ہوئی چند چیزیں اور مؤلفات! تحریک کانگریس اور جمعیۃ علماء سے وابستہ عنوانات ومسائل پر بھی متعدد رسائل اور تحریریں ہیں۔ مثلاً: ''**خطرناک نعرے اور جمعیۃ علماء کی صراط مستقیم**'' جو دہلی سے ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

- کشف الغوایة عن الوقایة، پر عادلانہ تبصرہ جو ۴۰ صفحات کی ہے، یہ

بھی دہلی سے چھپی تھی۔

- جمعیۃ علمائے ہند، کانگریس اور مسلم لیگ! ایک تعارف، تجاویز اور ان کی تشریح ۴۸:صفحات [مطبوعہ: دہلی]
- جمعیۃ علمائے ہند کی شرعی اہمیت [مطبوعہ، کمال پرنٹنگ پریس، دہلی] ۱۶:صفحات
- جمعیۃ علمائے ہند ہی ناموس ملت کی محافظ ہے۔ ۸:صفحات
- مولانا ظفر احمد صاحب کے فتوی پر تبصرہ، شرکت کانگریس جائز ہے! [مطبوعہ: دہلی] ۱۶:صفحات
- اسی سلسلہ کی ایک نسبۃً مفصل تالیف ''جمعیۃ علماء کیا ہے؟'' ہے، جو دو حصوں میں چھپی تھی، اس میں جمعیۃ علمائے ہند کے ذریعہ سرانجام خدمات کی تفصیل اور متوقع منصوبوں کا تذکرہ ہے، یہ جمعیۃ علماء صوبہ متحدہ کے شعبۂ طباعت کی پہلی کتاب ہے، جو ۱۳۶۵ھ [۱۹۴۶ء] میں چھپی تھی، اس وقت مولانا محمد میاں، جمعیۃ علماء صوبہ آگرہ کے ناظم تھے۔ بعد میں بھی ہند پاکستان دونوں جگہ سے شائع ہوئی۔
- ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' جو شاندار ماضی کی پہلی طباعت کے آخری پانچویں حصہ کی نئی ترتیب وتوضیح ہے، اس کا تعارف شاندار ماضی کے بعد آ رہا ہے۔
- **تحریک شیخ الہند:** [یا ریشمی خطوط سازش کیس] یہ انڈیا آفس لائبریری، لندن میں، برطانوی حکومت کے دور میں، ہندوستان میں برپا سیاسی تحریکات میں سے ایک تحریک، ریشمی رومال کے متعلق سرکاری محکمہ خفیہ [سی آئی ڈی] کی رپورٹ کا فائل ہے، اس رپورٹ کا رفیق عزیز بیگ صاحب نے [جو اس وقت روزنامہ الجمعیۃ کے ایڈیٹر تھے] انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا، مولانا محمد میاں نے اس کو مرتب کیا، جو غالباً ۱۳۹۵ھ [۱۹۷۵ء] میں دہلی سے چھپی، یہ کتاب بڑی پیمائش کے ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مگر یہاں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ یہ مطبوعہ کتاب، سی آئی ڈی

رپورٹ کا مکمل اور مسلسل ترجمہ نہیں ہے اور اس کی ترتیب بھی وہ نہیں ہے، جو اصل رپورٹ کی ہے، اصل رپورٹ کے بعض مندرجات اور اس کتاب کی اطلاعات میں اختلاف ہے، میں نے اصل رپورٹ کا عکس دیکھا ہے، یہ رپورٹ باقاعدہ مرتب اور مکمل ہوکر اصل فائل کے مطابق شائع کی جارہی ہے، اس کی اشاعت کے بعد ایسی بعض اطلاعات وتحقیقات پر نظر ثانی ضروری ہوجائے گی، جو اس کتاب کے جزوی اور نا تمام ترجمہ پر اعتماد کی وجہ سے ہوگئی ہیں۔

● یہی کتاب **"تحریک ریشمی رومال"** کے نام سے مکتبۂ محمودیہ، لاہور پاکستان سے شائع ہوئی جو کئی مرتبہ چھپ چکی ہے، مکتبہ محمودیہ نے اس کو پہلی بار جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ [اکتوبر ۱۹۹۹ء] میں شائع کیا تھا۔

● **اسیرانِ مالٹا:** یہ تالیف حضرت شیخ الہند اور ان کے ایسے رفقائے کرام کے احوال ہیں، جو مالٹا میں حضرت مولانا کے رفیق وہم قدم تھے۔ یہ مولانا محمد میاں صاحب کی آخری تالیف ہے، جو مولانا کی وفات کے بعد چھپی تھی، اس کی طباعت دہلی سے ۱۳۹۶ھ [۱۹۷۶ء] میں ہوئی۔

●● مولانا کی اہم علمی خدمات میں حضرت نانوتوی کی تصانیف پر حاشیے تصحیح اور ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی ہے۔

مولانا نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دو کتابوں: **انتصار الاسلام** اور **تقریر دل پذیر** پر حاشیے لکھے اور ان پر ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا تھا، یہ دونوں کتابیں مطبع قاسمی، دیوبند سے شائع ہوئیں تھیں، تقریر دل پذیر جو ۱۳۴۶ھ میں چھپی، تین سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ انتصار الاسلام ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوئی تھی، چھیانوے صفحات میں آئی ہے۔

● مولانا کی ایک اور مفید تحریری یادگار، جس کو باقاعدہ تصانیف میں شمار کرنا تو شاید مناسب نہ ہو، لیکن اس کی افادیت ان سب چیزوں سے بڑھ کر اور عام ہے، وہ بچوں کے لئے دینی رسائل کا نصاب، **دینی تعلیم کے رسائل** ہیں، جو ابتداء سے آٹھ درجوں تک ہیں،

اس میں بچوں کی عمر اور لیاقت کے اعتبار سے، دینی معلومات اور ذہن کے لئے اسلامی غذا کا خیال کیا گیا ہے، یہ نصاب پچاس سال سے زیادہ عرصہ سے بہت سے مدارس اور اسکولوں میں پڑھایا جارہا ہے۔ضرورت ہے کہ اس کو عمدہ طریقہ پر سلیقہ سے نفیس و رنگین شائع کیا جائے،اسی سے اس کے افادہ کا دائرہ وسیع ہوگا، اچھی تعلیم گاہوں اور اسکولوں کے بچے بھی اس کی طرف شوق سے متوجہ ہوں گے۔

علمائے ہند کا شاندار ماضی اور اس کی ذیلی تصانیف

ہندوستان میں اگرچہ مسلمانوں میں تاریخ، تذکرہ نویسی کی روایت بہت قدیم اور لائق تحسین رہی ہے، لیکن اس میں بعض بڑے خلا بھی ہیں، جہاں پہنچ کر طالب علم اور قاری حیران رہ جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے، اس باب کا، اس واقعہ کا، یا اس سلسلہ کا ہمارے تذکرہ نویسوں نے کیوں تذکرہ نہیں کیا، ان کی اِدھر نگاہ کیوں نہیں گئی۔اسی میں سے ایک یہ ہے کہ اگرچہ حضرت مجدد الف ثانی [شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ] کے احوال وخدمات اور مقام بلند پر بیسیوں کتابیں لکھی گئیں، جس میں حضرت مجدد صاحب، ان کے اخلاف اور خلفائے کرام کے حالات مل جاتے ہیں لیکن ہماری تقریباً پوری نسل اس سے ناواقف تھی، اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے فرزندان والامرتبت اور اخلاف گرامی کے احوال تو گویا مفقود ہوگئے تھے، خود شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے احوال پر ''حیات ولی'' اور ''مقالات طریقت'' (۱۲) کے علاوہ کوئی بڑا وقیع تذکرہ، بلکہ اچھی تحریریں بھی دستیاب نہیں تھیں اور اس خانوادہ کے آخری قافلہ سالار اور ہندوستان کے بعد کے دور کے اکثر علمائے کبار اور اساتذہ ومحدثین کے مرجع سند، حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی ہندوستان سے ہجرت کے سوسال بعد تک بھی، شاہ محمد اسحاق کا کوئی عمدہ تذکرہ مرتب نہیں ہوا، کوئی لائق اعتماد کتاب وجود میں نہیں آئی، اس طرح اس پورے خانوادہ کے احوال کم یاب اور ان کی خدمات کا علم محدود تھا، سب سے پہلے مولوی رحیم بخش دہلوی نے اس ضرورت اور وقت کے مطالبہ کا خیال کرتے ہوئے، حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک سوانح، جس

میں حضرت شاہ صاحب کے اخلاف کا بھی تذکرہ ہے، ''حیات ولی'' کے نام سے لکھی تھی، حیات ولی کی تالیف کے بعد، اس کمی کا مولانا محمد منظور نعمانی نے احساس کیا اور اس کی تلافی اور مجدّد دین دین کے تذکروں کو جلا بخشنے اور برصغیر ہند میں تجدید واحیائے اسلام کی تاریخ کو مرتب اور ان کے بڑے بنیادی سرچشموں کو جوڑنے اور ان کی یادوں کو زندہ و تازہ کرنے کے لئے اپنے مؤقر مجلّہ، ماہنامہ الفرقان بریلی کا سب سے پہلے ایک شاندار نمبر حضرت مجدد الف ثانیؒ پر اور اس سے بھی وقیع تر حضرت شاہ ولی اللہ پر علیحدہ شائع کیا،(۱۳) ایسی ہی ایک اور مفید اشاعت، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید پر مرتب اور شائع کی تھی، ان اشاعتوں نے ہندوستان میں مجدد دین اسلام، خادمان شریعت وسنت اور رہنمایان اصلاح وتربیت کے احوال کا تذکرہ تازہ کیا، ان کی حیات اور کارناموں سے سبق لینے، ان بزرگوں کی تعلیمات پر عمل کرنے اور ان کے کاموں کو آگے بڑھانے کا اک جذبہ پیدا ہوا، اسی جذبہ اور الفرقان کے خاص شماروں نے مولانا محمد میاں کو ان موضوعات پر کام کرنے کے لئے ایک توانائی اور تحریک بخشی۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دونوں سرچشمہائے علم وعمل کے کمالات وخدمات کا جائزہ اور ان میں ایک قدر مشترک اور جدوجہد کے یکساں طریق تلاش کرنے کی جستجو بھی شامل تھی ایک مفصل کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا۔

مولانا محمد میاں صاحب نے اس تالیف کے لئے ایک بہت مناسب نام **''علمائے ہند کا شاندار ماضی''** تجویز کیا۔ مولانا نے اس میں تاریخ احیائے دین، خدمت اسلام، تجدید صدائے قرآن وسنت کی تقریباً چارسو سالہ تاریخ پر توجہ فرمائی اور حضرت مجدد الف ثانی کی تاریخ تجدید واحیائے دین وشریعت سے قیام دارالعلوم، دیوبند اور اس کی خدمات تک کا احاطہ کرنے کا ارادہ کیا۔

اس کتاب کو اشاعت کے کچھ ہی دنوں بعد، انگریز افسران اور سی آئی ڈی کی نگاہ میں خطرناک اور لائق سزا سمجھ کر، بحق سرکار ضبط کرلیا تھا، اس کا چھاپنا ہی نہیں بلکہ رکھنا اور پڑھنا بھی جرم قرار پایا اور خلاف قانون قرار دے کر، اس کے تمام نسخے ضبط کرلینے کا حکم جاری

ہوا، نہ صرف کتب خانہ فخریہ اور مولانا محمد میاں کے سامان سے، بلکہ اور جہاں بھی اس کے ملنے، موجود ہونے کی امید تھی، وہاں پولیس نے چھاپے مارے اور تلاشی کے بعد کتاب ضبط کر لی۔ یہ چھاپے مرادآباد کے علاوہ دلّی، بجنور، دیوبند، مظفرنگر اور سہارنپور وغیرہ میں مارے گئے تھے، سہارنپور میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا، ذاتی، تجارتی کتب خانہ بھی اس کی زد میں آیا۔ ۱۵/ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ [۱۴/جنوری ۱۹۴۱ء سہ شنبہ] کو پولیس نے اس کتب خانہ کی تلاشی لی اور ایک نسخہ ضبط کیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے اپنے روزنامچہ میں اس کی یادداشت ان الفاظ میں تحریر فرمائی ہے:

> ''تلاشی کتب خانہ زکریا، درسلسلہ ''مسلمانوں کی شاندار ماضی'' بوقت گیارہ بجے دوپہر، تین پولیس مین، وحوالگی یک نسخہ مجلد، موجودہ''

لیکن اس طباعت کے نسخے بالکل معدوم اور ناپید نہیں ہوئے تھے، کہیں کہیں موجود ہیں، ایک مکمل نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں بھی ہے، چوں کہ یہ اشاعت کمیاب ہے اس لئے اس کا کسی قدر تعارف مفید ہوگا۔

یہ پہلی طباعت پانچ حصوں پر مشتمل ہے، ہر اک حصہ کا عنوان اور صفحات درج ذیل ہیں:

حصہ اول: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ـــ ایک سو اکہتر [۱۷۱] صفحات

حصہ دوم: سیرت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وحضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک سو چوراسی [۱۸۴] صفحات

حصہ سوم: الشہیدین السعیدین [یعنی سیرت حضرت سید احمد شہید وسیرت حضرت مولانا شاہ اسماعیل صاحب ودیگر مجاہدین ہند] ـــ دوسو بہتر [۲۷۲] صفحات

حصہ چہارم: علمائے ہند کی شاندار ماضی، ۱۸۵۷ء کی خونی داستاں ـــ صرف اکہتر [۷۱] صفحات

حصہ پنجم: تحریک دارالعلوم دیوبند ـــ دوسو چونسٹھ [۲۶۴] صفحات

شاندار ماضی طبع اول کی ترتیب اور مضامین، موجودہ اشاعتوں سے خاصے مختلف ہیں،

یہ پہلی طباعت پانچ حصوں پر مشتمل تھی اور پوری کتاب [پانچ حصے] ایک ساتھ یکجا چھپے تھے، جس کے چند عنوانات اور گوشے اس طرح ہیں، پہلی طباعت اور بعد کی اشاعتوں کے ابواب، مضامین کی تقدیم وتاخیر، مندرجات کی معنویت اور تحقیق، ہر ایک میں خاصا اختلاف ہے۔

موجودہ اشاعتوں کی پہلی جلد، ڈیمائی سائز کے پونے چھ سو صفحات میں ہے، یہ جلد حضرت مجدد الف ثانی کے احوال، سوانح، خدمات اور ان کے دور کے تمام سیاسی اتفاقات اور حالات، ان کے اخلاف واولاد اور اس سلسلہ پر گفتگو کرتی ہے لیکن کتاب کی ابتدائی ترتیب میں مجدد صاحب کا تذکرہ شامل نہیں تھا، جب بعد کے حصے لائق اشاعت ہوگئے، ان کا چرچا ہوا اور طباعت کی بات آئی، اس وقت جناب محمود احمد عباسی امروہوی کی فرمائش پر، ایک حصہ کا اضافہ کیا، جو پہلا حصہ قرار پایا، پہلی اشاعت کا یہ پہلا حصہ، بڑی حد تک ماہنامہ الفرقان بریلی کے حضرت مجدد الف ثانی نمبر سے لیا گیا تھا، یہ حصہ ایک سو اکہتر [۱۷۱] صفحات پر آیا تھا۔

مصنف نے اس کتاب کی حضرت شاہ ولی اللہ کے تذکرہ سے ابتدا کی تھی، اس لئے کتاب کا مقدمہ اسی دوسرے حصے کے شروع میں آیا ہے، یہ مقدمہ ''اسلام اور تمدن'' کی بحث سے شروع ہوا ہے، اسی کو مصنف آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان کے سیاسی پس منظر سے وابستہ کرتے ہوئے آگے بڑھے ہیں، لیکن اس وقت تک بھی مصنف کے ذہن میں اس کتاب کی تالیف کا کوئی خاص مقصد اور مندرجات کا واضح تصور نہیں تھا، اس لئے ان میں سے کسی پر توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی، بظاہر حضرت شاہ ولی اللہ کے صرف سیاسی خیالات اور ان کی عملی ترجمانی مقصد ہے۔

علمائے ہند کی شاندار ماضی کی موجودہ اشاعتیں، پہلی طباعت سے بہت مختلف ہیں، جو کثیر ترمیمات واضافات کے ساتھ مرتب ہوکر گویا بالکل نئی کتاب بن گئی ہے۔ بعد کی طباعتوں میں سے پہلی اشاعت کا خاصا حصہ، جو اندازاً چالیس فیصد ہوگا، نکال دیا گیا اور جو اضافات ہوئے ہیں، وہ پہلی ترتیب طباعت سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ اس کی ترتیب عنوانات

بھی الگ ہے، مباحث بھی خاصے مختلف ہیں، یعنی بعد کی خصوصاً چوتھی اشاعت، پہلی طباعت سے بڑی حد تک الگ ہے۔ بعد کی طباعتوں میں مصنف محترم نے ہر اک باب کے عنوانات وموضوعات کو مستقل موضوع بنایا ہے، ہر اک پر خاصی توجہ کی ہے اور کتاب کو، اپنے ذہنی تصور کے مطابق پورا کرنے کی بہترین کوشش کی ہے، موجودہ اشاعتوں میں کتاب کا نام بھی تبدیل ہوگیا، پہلے یہ نام تانیث کے ساتھ ''**کی شاندار ماضی**'' تھا، موجود طباعتوں میں درست کر کے ''**کا شاندار ماضی**'' کر دیا گیا، جو اصولاً بھی درست ہے۔

فکر وخیالات میں بھی تبدیلی محسوس ہوتی ہے، کہیں کم کہیں زیادہ، اکثر عنوانات کو مؤثر وبامعنی بنانے اور ان کی گرہ کشائی میں جو کوشش کی ہے، اس سے تاریخ کے طالب علموں کو اختلاف تو ہوسکتا ہے، لیکن مؤلف کی محنت کی تحسین کرنی ہوگی۔

جناب مؤلف کی فکر میں بڑی تبدیلی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے پہلی اشاعت کے آخری پانچویں حصہ ''دارالعلوم'' کو، شاندار ماضی کی نئی ترتیب سے بالکل ہی نکال دیا ہے اور اس باب کو متعدد اضافوں اور واضح ترمیمات کے ساتھ علیحدہ مرتب کر کے، اس کا نام ''علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' رکھ دیا، صرف یہی حصہ یا کتاب دو جلدوں اور نو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

مصنف نے شاندار ماضی کی تالیف کا، غالباً کسی خاص منصوبہ کے بغیر آغاز کر دیا تھا، جب یہ کتاب پہلی مرتبہ لکھی گئی اور چھپی تھی، اس وقت اس کے ذریعہ سے ہندوستانی مسلمانوں کے دینی اور باشعور طبقہ کو ملک میں برپا ملّی سیاست، خصوصاً جمعیۃ علماء کی تحریک سے وابستہ کرنا اور اس کے لئے مجاہدہ وقربانی کا ذہن بنانا مقصد معلوم ہوتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ جناب مؤلف نے اس کے آغاز میں وجہ تالیف یا اپنے مقصد تصنیف کا کچھ بھی تذکرہ نہیں کیا، یہ کتاب جیسا کہ گذشتہ سطور سے واضح ہوا، پانچ حصوں پر مشتمل تھی، جس میں سب سے بڑا اور شاید خاص حصہ آخری حصہ تھا، جس کو تحریک دارالعلوم کے نام سے موسوم ومرتب کیا گیا تھا، یہ دوسو چونسٹھ [۲۶۴] صفحات پر آیا تھا اور اس سے پہلے کا چوتھا حصہ، جو ۱۸۵۷ء

کی جدوجہد کے تذکرہ پر مشتمل تھا اور سیاسی تحریکات کے رفقاء، خصوصاً جمعیۃ علماء کے کارکنان اور ذمہ داروں کے لئے دستاویز عمل اور رہنما کی حیثیت رکھتا تھا، سب سے مختصر تھا اور صرف اِکہتّر [١٧] صفحات میں آیا تھا۔

اگرچہ کوئی حوالہ یا ثبوت میرے سامنے نہیں، لیکن بار بار یہ خیال آتا ہے کہ مولانا نے سب سے پہلے یہی حصہ لکھا ہوگا اور بعد میں اس کی تکمیل کے لئے تیسرا اور دوسرا حصہ لکھا گیا، کیونکہ مولانا نے سیاسی خیالات کی جو ترجمانی پانچویں حصہ کی تمہید میں کی ہے اور حصوں کے ابتدائی صفحات میں اس کا نشان نہیں ملا اور شاید تصنیف کی اس الٹی ترتیب کی وجہ سے، کتاب پر کوئی باقاعدہ مقدمہ یا وجہ تالیف بھی شامل نہیں ہے۔ یہ وضاحت آچکی ہے کہ مولانا نے اس کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ سے کی تھی اور اسی پر کتاب کو مکمل کردینے کا خیال تھا، مگر امروہہ کے ایک معروف فاضل، محمود احمد عباسی صاحب کے توجہ دلانے پر اس حصہ کی تالیف وترتیب عمل میں آئی، جو حضرت مجدد الف ثانی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، جو پہلی اشاعت میں پہلے حصہ کے نام سے شامل ہے، مگر مصنف نے کہیں بھی اس کتاب کی وجہ تالیف نہیں لکھی، وہ اس کے ذریعہ سے کیا بات کہنا اور کیا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں، اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کی، یہی نہیں کہ مؤلف نے کتابی طور پر اشاعت کے وقت ابتدائی صفحات میں اس کا کچھ تذکرہ نہیں کیا، بلکہ اس اشاعت میں جو پانچ حصے شامل ہیں، ان میں سے کسی پر بھی مقصد تالیف، طریقۂ تالیف، مختلف حصوں میں قدر مشترک اور ان میں درج کئی صدیوں کے اکابر وعلماء اور قائدین کا انتخاب، کس مناسبت سے کیا گیا ہے اور ان کے کاموں میں باہم کیا تناسب اور ترتیب ہے۔ اگرچہ پڑھنے والے اپنے طور پر اس سے کچھ مقاصد اخذ کرلیتے ہیں، لیکن مصنف سے جس رہنمائی اور اتحاد مقصد کی امید کی جاتی ہے، وہ اس کتاب میں کہیں درج نہیں ہے۔

● اگرچہ مؤلف پہلی اشاعت میں اس اہم ضرورت پر توجہ نہیں کرسکے تھے، تو اس کا بہت موقعہ اور گنجائش تھی کہ وہ آخری مکمل اشاعت کے وقت، اپنے مقصد تصنیف، اپنی

ترجیحات اور تالیف میں تذکرہ وتعارف کے لئے، منتخب اصحاب کی ترتیب وتعیین پر کچھ روشنی ڈالتے اور کتاب کے پیغام اور مقصد تالیف کو آغاز کتاب میں ہی منقح فرما دیتے، کہ بعد کی تمام بحثیں، عنوانات اور جلدیں اس سے جڑتی چلی جاتیں، مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔

● یہ اس لئے بھی بے حد ضروری تھا کہ پہلی طباعت اور آخری طباعت میں بہت بڑا فرق اور ایک خاص فاصلہ ہے، ایسا کیوں ہوا، مصنف نے بعد کی طباعت میں جو کمی زیادتی اور ترمیمات کیں، اس پر کچھ روشنی ڈالنی چاہئے تھی اور جو اضافے کئے، ان کی افادیت کا تذکرہ بھی ضروری سا تھا۔

● پہلی اور آخری طباعت کی ترتیب ابواب اور عنوانات میں بھی ترمیمات اور کثیر تبدیلیاں واضح ہیں، پہلی طباعت میں حصہ اول، جس میں حضرت مجدد الف ثانی کا تذکرہ کیا گیا تھا، صرف ایک سو اکہتّر [۱۷۱] صفحات تھے، جو آخری نظر ثانی والی طباعت میں پونے چھ سو [۵۷۶] تک پہنچ گئے ہیں۔ آخری طباعت کا ناپ بھی پہلی طباعت سے بڑا ہے، اگر اس کو پہلی طباعت کے سائز اور کتابت میں لکھا جائے تو غالباً ساڑھے آٹھ سو [۸۵۰] صفحات ہو جائیں گے۔

● دوسرا حصہ، جو پہلی طباعت میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے عنوان سے شامل تھا، ایک سو چوراسی [۱۸۴] صفحات پر آیا تھا، لیکن نئی طباعت میں یہ حصہ اور عنوان موجود ہی نہیں، جلد دوم کا عنوان ''مسلمانان برصغیر اور تحریک آزادی'' ہے، جس میں صرف بتیس ۳۲ ؍صفحات شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک کو دئے گئے ہیں، اور تقریباً پچاس صفحوں پر شاہ عبدالعزیز کی سیاسی زندگی اور خدمات (۱۴) اور شاہ عبدالعزیز کے بعد تحریک سید احمد شہید کے اختتام تک، تقریباً پونے چار سو صفحات میں تحریک سید احمد شہید اس کے ممتاز رفقاء، شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہے، اس پوری جلد کی بھی ترتیب پچھلی جلد سے یکسر مختلف ہے، اس میں مولانا محمد میاں صاحب نے انقلابی پروگرام، عارضی حکومت، جنگی اقدامات اور اس کے لئے برپا تمام کوششوں کو، ہندوستان کی سیاسی تحریکات

خصوصاً کانگریس اور جمعیۃ علماء کا پہلا قدم دکھانے کی کوشش کی ہے، یہاں شاندار ماضی کی پہلی طباعت اور موجودہ طباعتوں میں ایسا بڑا اختلاف ہے کہ جس کی کوئی تاویل وتوجیہ مشکل ہے۔اس لئے یہ خیال برمحل ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں، الگ الگ مقاصد کے لئے لکھی گئی تھیں۔ پہلی طباعت میں ایک عنوان بلکہ جلد سوم کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ ''معرکۂ بالاکوٹ سے قیام دارالعلوم دیوبند تک'' کی بحث پر مشتمل ہے،لیکن نئی طباعت میں اس کا ذرا کوئی تذکرہ نہیں، اس کے بعد ہی تیسرا حصہ شروع ہوجاتا ہے، جس میں مصنف نے ''علماء صادق پور'' کی خدمات اور قربانیوں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کو تحریک حضرت شاہ ولی اللہ کا دوسرا دور قرار دیا ہے، اس عنوان کے تحت جو کچھ لکھا گیا، اس میں سے کچھ بھی پہلی طباعت میں شامل نہیں تھا، گویا یہ حصہ اور اس سے پہلا حصہ جو حضرت شاہ ولی اللہ کے احوال پر مشتمل ہے، دونوں اشاعتوں میں الگ الگ مقاصد کی ترجمانی کرتے ہیں، وہاں بات کچھ اور تھی، یہاں بات کچھ اور ہے۔

- شاندار ماضی، طبع اول کا چوتھا حصہ صرف اکہتّر [۷۱]صفحات پر آیا ہے اور چوتھی جلد کی نئی طباعت پانچ سو بارہ[۵۱۲] پر ہے، پہلی کتاب کے سائز اور ناپ کے لحاظ سے اندازاً سات سو صفحات پر مشتمل ہے یعنی تقریباً دس گنا اضافہ ہوا ہے۔
- آخری پانچویں حصہ کا عنوان ''تحریک دارالعلوم، دیوبند'' تھا، یہ پانچواں حصہ نئی طباعتوں میں شامل نہیں۔
- پرانی اور نئی طباعتوں میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ پہلی طباعت میں مؤلف کے مراجع بہت محدود ہیں، جلد اول جو بعد میں شامل کی گئی[جس میں حضرت مجدد الف ثانی کے احوال ہیں] کا بڑا حصہ، ماہنامہ الفرقان بریلی کے مجدد الف ثانی نمبر پر مبنی ہے، اس کے علاوہ ذرائع اطلاعات کا بہت کم تذکرہ ہے۔اسی طرح آخری جلد [تحریک دارالعلوم دیوبند] میں گنتی کی چند کتابیں مصنف کے سامنے ہیں، جس میں بنیادی اہمیت مولوی طفیل احمد منگلوری کی ''حکومت خوداختیاری اور روشن مستقبل'' کو ہے، درالعلوم کے حالات کے لئے،

ماہنامہ القاسم، دیو بند کے چند شماروں اور دارالعلوم نمبر کو بنیاد بنایا گیا ہے، چوں کہ پانچویں حصہ کا ایک خاص عنوان شیخ الہند کی تحریک اور سیاست بھی ہے، اس لئے سفر نامۂ شیخ الہند سے بھی خاصا استفادہ ہوا ہے، دیگر ذرائع سے بہت کم استفادہ اور رجوع ہوا ہے، لیکن آخری طباعت کی صورت حال خاصی مختلف ہے، اس کے لئے مصنف نے کئی سال تک وسیع مطالعہ کیا، اور اُسے نئے انداز میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مصنف کی جمعیۃ علمائے ہند سے جو جذباتی وابستگی اور کانگریس پارٹی سے جو گہرا، غیر معمولی اور قلبی تعلق ہے، وہ اس میں بھی جگہ جگہ چھلکتا نظر آتا ہے اور مؤلف اپنے نظریہ سے مجبور ہوکر، ان دونوں کی ہر ایک کڑی کو، تاریخ ماضی سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی تاریخ فی الحقیقت تصدیق ہی نہیں کرتی۔(۱۵)

اس کتاب کی پہلی اور موجودہ طباعتوں میں مصنف کے مقاصد، مضامین کی ترتیب، تغیر، حذف واضافہ اور دونوں طباعتوں کے مختلف اتفاقی، اختلافی پہلوؤں پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے، جس کی ان مختصر صفحات میں گنجائش نہیں ہے، یہ ایک مفصل مقالہ یا علیحدہ مستقل کتاب کا موضوع ہے، بہر حال میرے ناچیز خیال میں شاندار ماضی کو ایک اجتماعی تذکرہ تو کہا جاسکتا ہے، مگر متعلقہ شخصیات وادوار پر معتبر ماخذ اور دستاویز قرار دینا بہت مشکل ہے۔

مولانا محمد میاں صاحب نے کتاب کی پہلی اشاعت میں جو پانچواں حصہ شامل کیا تھا، وہ موجودہ اشاعتوں میں نظر نہیں آتا، بلکہ اس کا حوالہ ونشان بھی موجود نہیں، مولانا نے اس حصہ کو شاندار ماضی سے علیحدہ کرکے ایک نئی کتاب کی صورت میں مرتب کیا اور اس کو ''علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا، اس میں اضافات کی کثرت کا اسی سے خاصا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ طبع اول میں شامل حصہ پنجم، دوسو چونسٹھ [۲۶۴] صفحات پر مشتمل تھا اور بعد میں جب اس کو ''علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے'' کے نام سے شائع کیا گیا، تو یہ دو جلدوں اور تقریباً نوسو سے زائد صفحات کی کتاب بن گئی تھی،

جس میں مؤلف نے اول تو ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک برپا، جمعیۃ علماء کی سیاسی تحریک کو تاریخ دارالعلوم کا ایک حصہ شمار کرایا ہے اور اسی سے یہ بھی تاثر ملتا ہے کہ برصغیر میں ہندی ملت اسلامیہ کے وہ سینکڑوں علماء، قائدین اور رہنما، جس میں بہت سے علم وفضل میں ممتاز، شریعت وطریقت میں نمایاں فکر وتدبر اور غیرت وبصیرت کی مثال تھے اور جو اپنی اپنی جگہ جمعیۃ علماء کے علاوہ مختلف دینی، قومی، سیاسی خدمات انجام دے رہے تھے، وہ سب یک لخت علماء حق سے خارج تھے؟ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے، جمعیۃ علماء ہند کے نظریہ سے اتفاق واختلاف اور شیخ الہند کی قیادت میں یا ان کے اصولوں کے مطابق کام کرنا یا نہ کرنا ایک الگ بات ہے، مگر اس کی وجہ سے نہ کوئی اہل حق میں شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا اہل حق سے خارج کرنا درست ہے، اس لئے اس کتاب کا نام عجیب سا معلوم ہوتا ہے، اس کا نام:

جمعیۃ علماء ہند کی زیر قیادت ملی، سیاسی خدمات اور قربانیاں دینے والے اصحاب اور ان کے کارنامے

ہونا چاہئے تھا۔

ملک میں بہت سی تنظیمیں اور بے شمار اصحاب واہل علم ودانش اپنی جماعتوں اور مقاصد کے تحت جدوجہد کررہے تھے اور ان میں سے کئی ایک کو، اگرچہ جمعیۃ علماء کے طریقۂ کار سے اتفاق نہیں تھا، لیکن پھر بھی اس کے کاموں میں جزوی شرکت رکھتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ فکر کا اور طریقۂ کار کا اختلاف ہے، حق وباطل کی علامت نہیں ہے۔ (☆)

(☆) ''علماء حق'' کے بارے میں حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے یہ ایک مخصوص فکر کا اظہار ہے۔ میں نہایت ادب کے ساتھ یہ کہنا چاہوں گا کہ مولانا محمد میاں صاحب نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے ''اس کتاب میں علماء حق کا استیعاب کیا ہے، یا یہ کہ جن کا ذکر اس میں نہیں ہے وہ علماء حق میں شامل نہیں ہیں۔'' اس کے بعد اس سے یہ سمجھنا کہ جن لوگوں کا اس میں ذکر نہیں ہے کیا وہ علماء حق میں نہیں تھے، قرین انصاف نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہئے کہ مولانا محمد میاں صاحب نے اس تالیف میں واقعات اور ترتیب سیاست کو اس طرح بیان کیا ہے، جس سے صرف جمعیۃ کی بعض خدمات کا تعارف ہوتا ہے، اس جدوجہد میں اوروں کا کیا حصہ تھا اور جمعیۃ علماء کے ذریعہ سے جو کام ہوئے ملت کے اس دور اور سیاست کے لمبے سفر میں دوسروں کا کیا تعاون رہا اور اس تاریخ کے کتنے موڑ ایسے ہیں کہ جن کی تعیین ونشاندہی میں اور لوگ بھی کچھ کم اور دوسروں سے پیچھے نہیں تھے، اس لئے تقریباً پینتالیس سالہ سفر، خدمات، قربانیوں اور کاموں کو صرف جمعیۃ کا کام اور امتیاز قرار دینا مشکل ہے، بات صرف اتنی ہے کہ وہ لوگ، ان کی جماعتیں وتنظیمات ۱۹۴۷ء کے بعد کمزور یا معدوم ہوگئیں، جمعیۃ علماء باقی رہی اور کام کرتی رہی لیکن اس وجہ سے اور ملی خادموں اور قائدین کو بالکل نظر انداز کر دینا، ان کے کاموں کو یکسر غلط سمجھنا یا فراموش کر دینا، کس طرح منصفانہ عمل ہوسکتا ہے؟ اس لئے اس کتاب کو بھی جمعیۃ کی تاریخ کے ایک حصہ کے طور پر دیکھنا چاہئے ملت کی مجموعی خدمات کا نہ اس میں تذکرہ ہے اور نہ غالباً مؤلف کا مقصد تھا۔

اور یہ بھی ایک عجیب بات اور ہے کہ جمعیۃ علماء کے سفر میں جو متعدد بڑے علماء اور ملی رہنما، ہم نوا اور شریک سفر رہے، مگر بعد میں کسی وجہ سے جمعیۃ سے دور ہوگئے، حالاں کہ جمعیۃ میں رہتے ہوئے انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں تھیں، مؤلف محترم مولانا محمد میاں صاحب نے ان کے نام لینے سے بھی احتیاط برتی ہے، اس کتاب کے مرتب اور کانگریس کے نہایت پرجوش اور جذباتی ہم نوا ڈاکٹر ابوسلمان صاحب شاہجہاں پوری (۱۶) نے بھی اس کتاب ''مجاہدانہ کارنامے'' میں مولانا محمد میاں کی بعض فروگذاشتوں پر تنبیہ کی ہے، اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مولانا کی اس تالیف میں کتنے سقطات، فروگذاشتیں اور بے اعتدالی ہوگئی ہے، اس کو ایک جذباتی خراج عقیدت کہہ سکتے ہیں، تاریخ قرار دینا زیادتی ہوگی۔

شاندار ماضی کی ترمیم وتوسیع والی اشاعت علمائے حق کو ابوسلمان شاہجہاں پوری صاحب نے اپنے معمول کے مطابق تفصیلی حواشی اور اضافوں کے ساتھ مرتب کیا جو تقریباً

چھ سو [۵۸۳] صفحات پر ۱۴۲۵ھ [۲۰۰۴ء] میں کراچی سے چھپی تھی، جس کا عنوان ہے:

علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ جلد پنجم

المعروف بہ

علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے

یہ اور اس طرح کے کئی پہلو ہیں، جو اس کتاب کے مطالعہ کے وقت سامنے آتے ہیں اور اس سے رجوع کرنے والوں کو بھی ان پر نگاہ رکھنی چاہئے۔

کتاب کو دیکھ کر، پڑھ کر بعض لوگوں کا یہ تبصرہ یاد آتا ہے، جس کو معذرت کے ساتھ نقل کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ مولانا بعض مرتبہ مؤرخ نہیں وکیل بن جاتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا دور، مغل سلطنت کے زوال وتنزل کا دور تھا، جس میں ہر طرح کی دینی، اخلاقی برائیاں اور سماجی بگاڑ اپنے عروج پر تھا، سیاسی گروہ بندیوں اور خود غرضی کا دور دورہ تھا، مولانا محمد میاں صاحب نے ''شاندار ماضی'' کی آخری جلدوں کی نئی ترتیب وتالیف کے لئے، جب اس عہد کی تاریخ کا مفصل مطالعہ کیا تو یہ خیال ہوا کہ امت کے اساطین وعلماء کی حکایت عروج کے ساتھ، اس داستان زوال کا بھی تذکرہ ہونا چاہئے۔ اس خیال سے مولانا نے مغلوں کے آخری دور کی روداد بھی لکھنی شروع کردی تھی، جس کا مولانا نے ''شاندار ماضی'' کی پہلی طباعت میں کئی جگہ ''داستان بربادی'' کے نام سے تذکرہ کیا ہے، مگر بعد میں اس کتاب کو ''ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں'' کے عنوان سے مکمل کیا، یہ کتاب مکتبہ برہان، دہلی سے چھپی، پیش نظر دوسری اشاعت ہے، جو شعبان ۱۳۹۸ھ [جولائی ۱۹۷۸ء] کی ہے۔

عرض مزید: علمائے ہند کا شاندار ماضی دسویں صدی ہجری کے تیرہویں صدی ہجری تک تجدید واحیائے اسلام اور اس کے ممتاز ترین رجال کار کی تاریخ ہے، جس کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی سے ہوا اور اختتام دارالعلوم دیوبند کے مؤسسین اور رہنماؤں

پر ہوتا ہے۔مولانا محمد میاں صاحب نے تاریخ، تجدید اور دعوت واتباع سنت وشریعت کے علاوہ بھی ان سب کے احوال میں ایک قدر مشترک تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، جو ان کی سیاست اور میدان عمل میں مجاہدانہ کردار سے عبارت ہے، لیکن اس کو پڑھنے والا تاریخ کا طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ کیا یہ پوری ترتیب اسی طرح تھی جس طرح مصنف شاندار ماضی نے بیان کی ہے، کیا ماضی کا اپنے مستقبل سے رشتہ اسی طرح جڑا ہوا تھا، یا ان کے طریق کار، مقاصد اور ترتیب عمل میں کچھ فرق اور اختلاف تھا۔اور کیا ۱۹۴۷ء سے پہلے کے سیاسی عمل، کانگریس پارٹی اور بعض نئی مذہبی، سیاسی تنظیمات حقیقت میں تحریک مجدد الف ثانی، فکر ولی اللّٰہی اور جماعت مجاہدین بالاکوٹ کا تسلسل تھیں، کیا واقعۃً ان جماعتوں اور تنظیموں نے ان مقاصد اور مطالبات کو کسی درجہ میں پورا کیا، جس کا ان بزرگوں اور اکابرین ملت اسلامیہ ہندیہ نے ارادہ کیا تھا، اس پہلو سے دیکھئے تو مولانا محمد میاں صاحب کی کتابوں میں ایک بڑی کمی اور واضح خلا محسوس ہوتا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے ماضی قریب کا ماضی بعید سے بہت گہرا رشتہ نہیں رہا، ہر چند کہ ان میں ایک تناسب ویکسانیت ہے مگر راہ اور مقاصد کا تفاوت، ایک ایسی بڑی واضح حقیقت ہے جس کو تاریخ کا واقف اور دیانت دار طالب نظر انداز نہیں کرسکتا لیکن اس کے علمی، فنی تجزیہ کی ضرورت بہرحال باقی ہے:

مردے از غیب بیروں آید و کارے بکند

والحمد للّٰہ اولاً وآخراً

نور الحسن راشد کاندھلوی

۸؍جمادی الاول ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

(۱) معلومات وتفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو:

[تذکرہ سادات رضویہ، دیوبند ـــــ مؤلفہ: جناب سید محبوب رضوی] [دیوبند: ۱۳۹۴ھ۔۱۹۷۴ء]

(۲) **ضروری بات**: یہ بات اس خانوادہ کے افراد کے لئے شاید نئی ہوگی کہ سید محمد ابراہیم صاحب کے ایک فرزند سید عظیم الدین، دیوبند سے ترک وطن کرکے کاندھلہ آگئے تھے اور ان کی اولاد کاندھلہ میں وارد

وآباد ہے، جس کا کچھ اشارہ سید محبوب رضوی نے ''تذکرہ سادات رضویہ'' میں صفحہ:۲۲ کے حاشیہ پر کیا ہے، اور راقم کے ذخیرہ میں دیوبند کے ایک ممتاز فاضل، مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی مُکمّل ترجمہ ازالة الخفاء وغیرہ کے قلم کی ایک تحریر موجود ہے، جس میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ بعض اور معلومات کے لئے دیکھئے: تاریخ دیوبند۔ سید محبوب رضوی ص:۹۴ تا ۱۱۰[طبع دوم ۱۳۹۲ھ دیوبند] نیز تحقیق الانساب مؤلفہ: محمود احمد عباسی [طبع جدید ۲۰۱۷ء امروہہ]

(۳) شجرہ کی تفصیلات کے لئے دیکھئے: تذکرہ سادات رضویہ دیوبند، تالیف: جناب سید محبوب رضوی۔ ص:۲۳و۲۵

(۴) ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد کا مدرسہ شاہی نمبر۔ مرتبہ: مولانا مفتی محمد سلمان منصورپوری صفحہ:۳۸۶ [مطبوعہ: نومبر، دسمبر ۱۹۹۲ء]

(۵) متعدد تحریرات ومضامین میں یہ ۱۹۲۷ء لکھا ہے جو بظاہر سہو کتابت ہے، مارچ ۱۹۲۸ء کی، مولانا نے اپنی خودنوشت میں صراحت کی ہے۔ [نور]

(۶) ندائے شاہی کا شاہی نمبر، ص:۳۸۷

(۷) مکرمی مولانا ذکاوت حسین امروہوی، استاذ مدرسہ امینیہ نے محنت کر کے مولانا محمد میاں صاحب سے مدرسہ امینیہ میں حدیث شریف خصوصاً صحیح بخاری پڑھنے والے طلباء کی فہرست بنائی ہے، یہ اطلاع اسی پر مبنی ہے۔ (مولانا ذکاوت حسین صاحب کا مقالہ اس مجموعہ میں شائع ہو رہا ہے۔ ''مولانا محمد میاں صاحب اور مدرسہ امینیہ''۔ ضیاء الحق خیرآبادی)

(۸) ندائے شاہی کا، مدرسہ شاہی نمبر، ص:۳۸۸۔ (یہ فتاوے اب تک شائع نہیں ہو سکے ہیں، ضیاء الحق)

(۹) قائد کے اکثر شمارے ہمارے ذخیرہ، مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ کی لائبریری میں موجود ہیں، مکمل فائل مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے جمع کر لیا ہے، راقم سطور نے بھی مولانا ضیاء الحق کی معلومات سے استفادہ کیا ہے۔

(۱۰) مولانا نسیم احمد غازی صاحب نے اس کی اردو میں مفصل شرح لکھی ہے اور بعض لوگوں نے اس پر تخریج وتعلیق کا کام بھی کیا ہے۔ (شرح کا نام ''مرآۃ الانوار'' ہے، یہ تین جلدوں میں مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مرادآباد سے شائع ہوئی ہے۔ ضیاء الحق خیرآبادی)

(۱۱) اس کتاب کا وہ نسخہ جو مصنف نے اپنی تحریر کے ساتھ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی صاحب کو پیش کیا تھا، میں نے دیوبند میں مسجد رشید کے برابر میں، سڑک پر ردی میں فروخت ہو رہی کتابوں میں سے خریدا تھا۔

(۱۲) **مقالات طریقت**: حضرت شاہ عبدالعزیز کے واقعات وقصص کا مجموعہ ہے، جس کی اکثر روایات

مولانا عبدالقیوم بڈھانوی سے سنی ہوئی ہیں، اس کو عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی نے مرتب کیا تھا، پہلی طباعت ۱۲۹۱ھ میں حیدرآباد، دکن سے شائع ہوئی تھی، حال میں پاکستان سے چند اضافوں کے ساتھ چھپی ہے۔

''حیات ولی'' حضرت شاہ ولی اللہ کے احوال وکمالات پر مشتمل، مولوی رحیم بخش دہلوی کی تالیف ہے، ہندوپاکستان سے کئی مرتبہ شائع ہوچکی ہے۔

(۱۳) مجدد الف ثانی نمبر کی اشاعت ۱۳۵۷ھ [۱۹۳۸ء] میں ہوئی یہ دوسو اٹھاسی [۲۸۸] صفحات پر مشتمل ہے اور شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ [۱۹۴۰ء] میں اشاعت پذیر ہوا، جو چارسو آٹھ صفحات [۴۰۸] پر مشتمل ہے۔

(۱۴) حضرت شاہ عبدالعزیز کی سیاسی خدمات کیا کیا ہیں، ان کا کوئی واضح تذکرہ نہیں آیا، صرف ایک فتوے کی بات کی گئی ہے، جس کا صحیح پس منظر آج تک معلوم ودریافت نہیں۔

(۱۵) یہ بات جو پڑھنے والوں کو حیرت میں ڈالتی ہے کہ مولانا محمد میاں صاحب، حضرت شاہ ولی اللہ کی ایمانی، اسلامی کوششوں سے ۱۸۵۷ء کی داستان قربانی وجانبازی تک، ہر ایک کو صرف انڈین نیشنل کانگریس [مولانا اسی طرح لکھتے ہیں] کے مقاصد کی تیاری اور ملک کی سیاسی جدوجہد کے ایک حصہ کے طور پر دیکھتے ہیں، میرے ناچیز خیال میں یہ بڑی زیادتی ہے، اوران حضرات کے بلند نظریات اور شہداء کے خون لالہ رنگ کی توہین ہے۔

پتہ نہیں ہمارے بعض مؤرخین یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ کانگریس پارٹی کی ابتدا تو بمبئی کے انگریز کمشنر مسٹر ہیوم [ ] نے ۱۸۸۵ء میں کی تھی اوراس کا مقصد پورے ملک سے ہندو، مسلمان، سکھ اور پارسی وغیرہ دانشوروں کو جمع کرکے، اس ملک کے اندرونی حالات پر بحث کرنا اور ایسی تجویزیں منظور کرنا تھا کہ جس سے انگریزی حکومت مستحکم ہو، کانگریس اس وقت حرکت وسیاست میں آئی تھی، جب خلافت تحریک برپا ہوئی اوراس کی جدوجہد نے پورے ملک کو ہلادیا تھا، اس وقت کانگریس نے کروٹ لی اوراپنے خاص مقاصد کے لئے پرانا چولا اتارکر، نئے لباس میں میدان سیاست میں آئی تھی۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: تواریخ کانگریس [ڈاکٹر پٹابھائی۔ سیتارامیہ]

(۱۶) جو کانگریس وجمعیۃ کے اختلاف کرنے والے تمام اصحاب کو، جس میں بڑے بڑے علماء، ائمہ اور رجال کار بھی ہیں، آخری درجہ کا [توبہ توبہ] گمراہ، نالائق اور انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتے ہیں، ان سب کے لئے کسی حرف خیر کی بھی شاہ جہاں پوری صاحب کے یہاں گنجائش نہیں۔ (یہ مقالہ نگار کے اپنے احساسات وخیالات ہیں جن سے اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔ مرتب)